ظہیر الدین محمد بابر کا علمی ذوق

جناب مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب۔ پھلواروی

لودھی خاندان کے بعد برعظیم ہند و پاک کی عنان حکومت مغلیہ خاندان میں آئی ظہیر الدین محمد بابر اس خاندان کا بانی تھا۔ بابر کی فتوحات نے اسے تاریخ کے آئینہ میں ایک عظیم فاتح ایک عظیم جنرل اور ایک جانباز کشور کشا کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

گلبدن بیگم بنت بابر شاہ کے بیان کے مطابق حضرت صاحب قرانی (تیمور) سے لے کر فردوس مکانی کے زمانہ تک سلاطین ماضی میں سے کوئی بادشاہ بھی ایسا نہیں جس نے اتنی محنت کی ہو جتنی کہ میرے والد بزرگوار نے کی۔ یہ بابر کا تنہا عزم تھا جس نے سیکڑوں سال کی تاریخ بدل ڈالی اور ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھ دی[1]۔

ابتدائی تعلیم

اگرچہ بابر صرف گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا اور اس کے بعد اسے کبھی فراغت کا وقت نصیب نہیں ہوا۔ جس میں وہ تحصیل علم و فن کی طرف متوجہ ہو سکتا لیکن اس کے باوجود مورخین اس پر حیران ہیں کہ وہ کیسی ابتدائی تعلیم و تربیت تھی جس نے اُس کو ترکی و فارسی کا ایک اعلیٰ پایہ کا ادیب و شاعر بنا دیا[2]۔

بابر سال بھر کسی مقام پر چین سے نہیں بیٹھا، علم و کمال سے کچھ ازلی مناسبت تھی۔ مبداء فیاض سے ذوق سلیم عطا ہوا تھا۔ ان ملکی افکار و انتشارات میں علم کی طرف ایک خاص توجہ رہی

---

[1] ہمایوں نامہ [2] ثقافت اسلامیہ از ڈاکٹر شیخ محمد اکرام

ابتدائی زمانہ میں بہت کم فراغت حاصل ہوئی جو طالب علمانہ تحصیل علم کرتا، لیکن متواتر توجہ نے اُس کے واسطے علمی شان بھی حاصل کرلی[1]

بابر اہل علم پر نوازشیں کرتا تھا اور اپنے ساتھ رکھتا تھا ــ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اسے علم سے دلچسپی تھی لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بابر بچپن سے جوانی تک اور جوانی سے مرنے تک ہمیشہ مصروف کارزار رہا۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی معرکہ میں رہا اور ایک سال سے زیادہ کبھی کسی مقام پر نہ ٹھہرا۔ ایسی ہنگامہ خیز زندگی میں بھی اس نے اس بات کے لیے وقت نکال لیا کہ وہ اُس دور کے تمام علوم و فنون کو حاصل کرسکا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذہن تعلیم کی طرف کس شدت سے مائل تھا[2]

پانچ سال کی عمر میں اس بچہ (بابر) کو سمرقند لے جایا گیا تھا اور اگلے چھ سال اس نے وہاں تعلیم حاصل کرنے میں گزارے ہوں گے اور اچھی طرح علم حاصل کیا ہوگا کیونکہ اس کے بعد اسے اپنی علمی صلاحیت بڑھانے کی فرصت نہیں ملی۔ دو زبانوں میں اس کی نمایاں استعداد جو اس کی تحریروں سے ظاہر ہے، یہ بتاتی ہے کہ علم کے حاصل کرنے میں اس نے استقلال کے ساتھ محنت کی ہوگی۔ اوائل عمر میں اس کی تربیت کیوں کر ہوئی، اس کا ہمیں علم نہیں، لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس کو تعلیم دینے میں اس کے خاندان کی عورتوں کا کافی دخل ہوگا۔[3]

بابر اپنی تعلیم کی کمی پوری کرنے سے غافل نہیں رہا۔ پہاڑیوں پر جانے میں بھی وہ دل پسند کتابیں اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ پھر شہر میں خواجہ احرار کے مرید بعض مذہبی لوگ بھی ملنے آتے جنہیں بابر سے بہت کچھ امیدیں تھیں۔ نوجوان بادشاہ اپنے سادہ سپاہیانہ افکار کو کبھی کبھی ترکی زبان میں بھی جو عوام کی بولی تھی، اور فارسی میں بھی جو خواص کی زبان تھی

---

[1] تذکرہ بابر از صدر یار جنگ محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی [2] ولیم آرسکن۔

[3] لین پول۔

اس کا کوئی ندیم عشق و محبت یا عورتوں کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا تھا۔[۱]

صبح کے اوقات میں بابر ہرات کی عمارات کی اچھی طرح سیر اور تحقیقات کرتا پھرتا تھا مدارس، مقابر، خانقاہیں، کاریزیں، رصد گاہیں۔ اس کے شوق کا اصل مرجع صاحبان علم و فن یا وہ درویش تھے جنہیں ان کی سیاحت کے دوران ٹھہرا کر مہمان رکھا جاتا تھا یا عمدہ حافظے کے لوگ جنہیں ماضی کی روایات رواں تھیں اور آخر میں "علوم دینا" کے جاننے والے کیونکہ اعلیٰ علوم دین کی تعبیر و تشریح کی شاخوں سے مختص تھے۔ بہر حال بابر کا بہت دل چاہتا تھا کہ علم و فضل کی دینی صحبتوں میں زندگی گزار دے۔[۲]

علمی صلاحیت ۔ تصنیف و تالیف

بابر کی مادری زبان ترکی تھی لیکن عربی اور فارسی زبانوں کا بھی وہ بڑا ماہر تھا۔ جغرافیہ تاریخ اور فلکیات سے بھی اُسے خاصی دلچسپی تھی۔ وہ ماہر نباتات بھی تھا۔ بابر ایک بڑا ادیب اور متعدد کتابوں کا مصنّف تھا۔ ارسکن کے بیان کے مطابق "اس نے ترکی زبان میں اور چیزیں لکھ کر ترکی زبان کا پایہ زبان کی حیثیت سے بہت بلند کر دیا۔"

بابر صاحب علم اور علم دوست بادشاہ تھا۔ علم فقہ، انشاء اور فارسی و ترکی شعر میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی۔ ترکی زبان میں اس نے اپنی سوانح عمری لکھی جو اس کی یادگار ہے باذوق حضرات میں اس کا مرتبہ ہمیشہ بلند رہا۔[۳]

بابر کی فقہ حنفی میں مہارت کے متعلق فرشتہ کا بیان ہے کہ وہ مجتہدانہ صلاحیت رکھتا تھا۔

بابر بلند پایہ شاعر تھا۔ اس کا ترکی زبان کا دیوان فصاحت و بلاغت کے لیے مشہور ہے۔ "تاریخ رشیدی" کا مؤلف مرزا حیدر کہتا ہے کہ "امیر علی شیر بیگ نوائی کے سوا ترکی شاعری میں

---

[۱] ہیرالڈلیم ۔ بابر شیر ببر [۲] بابر شیر ببر [۳] خافی خاں ۔ منتخب اللباب

کوئی بابر کا ہمسر نہ تھا۔"

بابر علم موسیقی اور شاعری علم املا اور انشا میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا اپنے عہد کے واقعات ایسی شستہ اور فصیح ترکی زبان میں لکھے ہیں کہ اس زبان کے بڑے بڑے ماہروں نے اس کی انشاپردازی کا لوہا مان لیا ہے[1]

بابر تلوار ہی کا دھنی نہیں بلکہ قلم و زبان کا دھنی بھی تھا۔ ادب و شاعری اس کی فطرت میں تھی جب دیس نکالا ہوا اور تاشقند پہونچا تو وہاں شکار و شاعری ہی اس کے دو بہترین مصاحب تھے کوہ و بیاباں میں تیر و تفنگ چلاتا اور آب رواں کے کنارے بیٹھا غزلوں سے جی بہلاتا۔ ایسی پرجوش طبیعت پر اس چمن کی سیر ایک اور تازیانہ تھی۔ وہ سودا یہاں اور بڑھا اور اپنے پرانے مشغلہ کو ہمیشہ تازہ کرتا رہا۔[2]

بابر اپنی تزک میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ" ذی الحجہ سنہ ۹۳۳ھ میں اپنے دیوان کی ترتیب دی۔ میں نے اس وقت تک چار مختلف اوزان میں پانچ سو شعر کہے ہیں۔

بابر نے اپنے تاثرات کا اظہار فارسی اشعار میں بھی کیا، مگر ان کی تعداد بہت کم ہے، پھر بھی جو کچھ ہیں ان کو اساتذہ نے نگاہ تحسین سے دیکھا۔ ابوالفضل نے بابر کی فارسی شاعری کی تعریف کی ہے۔

"بزبان فارسی نیز اشعار دل پذیر دارد"

بابر نثر کے ایک طرز متین کا موجد ہے اور علم اصول قانون پر مفید رسالہ لکھا ہے۔ فن عروض میں بھی خوب ماہر تھا۔ ترکی کا ایک شعر کہا ہے جو ۵۰۴ وزن میں تقطیع ہو سکتا ہے۔ اس نے علم عروض پر ایک کتاب "مفصل" کے نام سے لکھی[3]

بابر فطری طور پر مذہبی واقع ہوا تھا۔ اس نے ترکی زبان میں اپنے لڑکے کامران کے لیے

---

[1] فرشتہ [2] مغل اردو از نواب سید نصیر حسین خیال [3] تذکرہ بابر

ایک مثنوی "مبیّن" لکھی جس میں مذہبی، فقہی اور اخلاقی مسائل پر دو ہزار اشعار ہیں۔ یہ کتاب "فقہ بابری" کے نام سے مشہور ہے۔

ہیرلڈلیم کا بیان ہے کہ "اس نے ترکی زبان میں عقائد و اعمال کے سوا حکمرانوں کے مالی مسائل پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مثنوی کی طرز مولینا رومیؒ اور صوفی شعراء سے لی ہے فلسفیانہ افکار اور عملی نصیحتوں کو گویا نظم لطیف کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ ممکن ہے اپنے بیٹوں کو اسے پڑھنے میں ترغیب کے لیے یہ پیرایہ اختیار کیا ہو اور یا یہ کہ اپنے ذوق کی تسکین مقصود ہو ___ یہ مثنوی جزءً روسی میں ترجمہ کی گئی"۔

بابر نے خواجہ عبید اللہ احراری کے مشہور رسالہ "والدیہ" کو بھی نظم کیا تھا۔ بابر کا بیان ہے کہ اس رسالے کو اسی وزن میں نظم کیا جس میں مولانا جامیؒ کا سبحہ ہے یعنی بحر رمل مسدس مخبون میں۔

بابر کی سب سے زیادہ قابل تعریف تصنیف "تزک بابری" ہے، جو علمی دنیا میں بہت مشہور ہے۔

بقول فرشتہ، بنوعی نوشتہ کہ فصحا قبول دارند۔

مسٹر بیل (BEALE) کے بیان کے مطابق تمام عالم نے اس کی تعریف کی ہے اور بقول ہنری ایلیٹ یہ ان سوانح عمریوں میں ہے جو سب سے اچھی اور سب سے سچی کہی جاسکتی ہیں ارسکن کہتا ہے کہ "تزک بابری کا طرز نگارش بڑا سیدھا سادا اور جاندار ہے۔

بابر کی تمام علمی اور ادبی خدمات میں "تزک" کو بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ ایشیا کی تاریخ پر یہی ایسی تاریخ کی کتاب ہے جس کو ایک صحیح تاریخی نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے تزک اپنی افادیت اور اپنے انداز کی بے مثل تصنیف ہے اور تاریخ نگاروں کو اتفاق ہے کہ جن حالات میں اسے قلم بند کیا گیا ہے، اس کتاب کی اہمیت کو اور بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔

بیورج (BEVERIDGE) کا بیان ہے کہ "اس کی سوانح حیات دنیا کے گراں قدر

تاریخی ریکارڈس میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے اور راڈورڈسن کا کہنا ہے کہ بے شک سینٹ اگسٹائن (ST. AUGUSTINE) اور روسو (ROUSEOV) کی خود نوشت اعترافات (CONFESSION) اور گبن اور نیوٹن کی حیات (MEMOIRS) کے ہم پلہ ہے۔

کنگ کے قول کے مطابق "تزک بابری" مشرقی سوانح حیات میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اور ایلیٹ ڈاوسن کے بیان کے مطابق اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہترین اور مثالی سوانح حیات ہے۔

لیبان لکھتا ہے کہ "بابر کی سوانح عمری کا مقابلہ سیزر کی تاریخ سے کیا جاتا ہے۔ اس قسم میں فی الواقع ایک بہت اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے۔"

الفنسٹن کے خیال میں بابر کی سوانح عمری ایشیا کی صحیح تاریخ کا ایک نادر ٹکڑا ہے۔

لین پول لکھتا ہے کہ "اگر کوئی ایسا اتفاق ہوا ہے کہ کسی ایک تاریخی مسودے پر یقین کیا جائے جبکہ اس کی موافقت میں دیگر ثبوت فراہم نہ ہوسکیں اور اس مسودے کی موجودگی ہی مکمل ثبوت بن جائے تو بابر کی سوانح عمری اس کی بہترین مثال ہے۔

ہیرالڈلیم کا بیان ہے کہ "بابر نے اپنی گمنام سی مادری زبان چغتائی ترکی میں فرغانہ اور خود اپنی زندگی کے حالات لکھے۔ اس عہد خموشی میں اس نے اپنی آواز لوگوں کے کان تک پہونچادی۔ چنانچہ آج بھی کہ اس تحریر کو لکھے ہوئے پانچ سو برس کے قریب گزر چکے ہیں وہ داستان کچھ اس طرح ہمیں سنائی دیتی ہے کہ گویا کہنے والا رات ہوتے پڑاؤ پر پہونچا ہے وہ بھی دشمن کے تعاقب میں اور زیادہ تر یہ کہ دشمن اس کے تعاقب میں تھا، گھوڑے سے اتر کر ڈیرے میں آگ کے پاس بیٹھا اپنی روداد سنا رہا ہے۔ اسی روزینہ روداد میں ہم کو اس عہد کی تصویر نظر آنے لگتی ہے، جو یورپ والوں کے "زرنگار مشرق" پر قبضہ جمانے سے پہلے کی کیفیت تھی۔"[1]

---

[1] مقدمہ — بابر دی گریٹ۔

"تزک بابری" کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کی کل اہم زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔

"تزک بابری" میں ۹۲۶ھ/۱۵۲۰ء تک کے واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔

"تزک بابری کے نام" واقعات بابری" اور "بابرنامہ" بھی ہیں۔

"بابرنامہ کہاں لکھا گیا"

کے عنوان سے سرگئی نکولوف نے ایک مضمون رسالہ "طلوع کراچی بابت اپریل ۱۹۶۷ء میں شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"مشرقی ممالک کے قرون وسطیٰ کے مسلمہ ماہر اور جوان سال تاجیک مورخ احرار مختاروف کا کہنا ہے کہ مشرقی ادب کی ناقابل فراموش یادگار عظیم مغل خاندان کے بانی افسانوی شاعر اور سپہ سالار کی خود نوشت سوانح "بابرنامہ" کے اولین صفحات وادیٔ درفشاں کی چٹانوں پر وجود میں آئے، نہ کہ ہندوستان کے آراستہ و پیراستہ محلوں میں۔ ان صفحات کا زمانہ تصنیف ۱۵۱۰ء - ۱۵۱۲ء کے درمیان کا ہے جب بابر ایک چھوٹا سا خود مختار شاہزادہ تھا جس کے قبضے سے سلطنت نکل چکی تھی اور پہاڑوں میں چھپا ہوا تھا۔ قابل سائنس داں نے بابر کی داستان حیات کی ان نامعلوم حقیقتوں کو کوہستانی گاؤں کے گرد و نواح میں پائے جانے والی چٹانوں پر کندہ چھ کتبوں کی بنیاد پر دریافت کیا ہے، جن کے ساتھ تیمور کے وارث کا نام ہے۔ کندہ کرنے والے کی تحریر اور دستخطوں کی تحقیق کرنے کے بعد مورخ کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ تمام کے تمام بابر کے ہاتھ کے ہیں (بابر نے "بابرنامہ میں ایسے صرف ایک ہی کتبے کا ذکر کیا ہے)

بابر کے زرفشاں کے کتبے قنوطیت کا گہرا رنگ لئے ہوئے ہیں ہندوستان کے ہونے والے شہنشاہ کو اب کوئی امید باقی نہ رہی تھی کہ وہ اپنے موروثی شہروں فرغانہ اور سمرقند کو دوبارہ حاصل کر سکے گا۔ ان خیالات کا اظہار زیادہ تر سعدی اور حافظ کی رباعیات میں کیا گیا ہے بلکہ بابر نے ایک طرح سے ان عظیم شاعروں کے تخیلات کو اپنے الفاظ کا جامہ پہنا کر اپنی بدبختی پر آنسو بہائے ہیں۔

احرار مختار زوف اس ماہرانہ عبارت آرائی کے شہ پاروں کو غیر معمولی شعری صلاحیت کا حامل قرار دیتے ہیں "جس نے بعد میں بابر جیسے شاعر اور سپاہی کی تصنیف "بابر نامہ" اور دیگر تخلیقات کو جلا بخشی بابر نے ہی چغتائی (قدیم ازبک) زبان میں ادب کی بنیاد رکھی"۔

گلبدن بیگم کہتی ہیں کہ۔

"سیکری (ہندوستان) میں اس کے شاہ بابا نے جو عمارتیں بنوائیں ان میں سے ایک وہ تھی جہاں بیٹھ کر بادشاہ بابر اپنی تزک لکھا کرتا تھا۔"

تزک کا نسخہ بابر کا خود اپنے قلم کا لکھا ہوا تزک کا نسخہ معدوم ہو گیا ہے تاہم اس کی زندگی میں اور کچھ بعد اس کی نقول اور اکثر فارسی میں کرلی گئی تھیں۔ بظاہر ایک خواجہ کلاں کے پاس تھی اور میرزا حیدر دوغلات یقیناً ایک نسخے کا مالک تھا ہمایوں نے اپنے ہاتھ سے ایک نقل کی تھی اور شرحی حواشی بھی بڑھا دئے تھے۔ باپ نے خود اس کے افعال پر جو نکتہ چینی کی حتیٰ کہ دہلی کے خزانے لٹوانے کے ذکر میں بھی کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ گلبدن بیگم نے بھی صریحاً بابر نامے کے فارسی نسخے سے کام لیا تھا۔ شاہجہاں کے کتب خانے میں اس کا مکمل نسخہ موجود تھا جس کی بہت عمدہ تذہیب و تزئین کی گئی تھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل خاندان اس سوانح عمری کی بڑی قدر کرتے تھے اور دوسرے کتاب میں بھی تزک نہایت محترم تھی۔ نتیجہ یہ کہ یہ مخطوطے بغیر کسی تدوین و تبویب کے اور یقیناً بلا تصرف ہم تک پہونچے۔ ان دور دور پھیلے ہوئے فارسی اور ترکی کے نسخوں میں لفظی اختلاف پائے جاتے ہیں مگر معنی و مطالب میں فرق نہیں اور جو خلا بابر نے چھوڑ دئے تھے، وہ بھی سلامت ماندہ نسخوں میں قریب قریب اسی طرح چھٹے ہوئے ہیں ہم پورا یقین رکھ سکتے ہیں کہ جو تزک بابری ہم آج پڑھ رہے ہیں وہی ہے جسے ساڑھے چار سو برس پہلے اس نے لکھا تھا (بجز چند مشکوک جزئیات کے)[1]

تحقیقاتی مہم قدیم مسودات کے یوگوچی عجائب گھر کے سابق ڈائرکٹر اور اس تحقیقاتی مہم کے سربراہ، جو قدیم مسودات اور نوادر کی تلاش کر رہے ہیں یوسف بیگ مخلصوف کا جوان دونوں سوویت

---

[1] ہیرالڈیم

یونین میں مقیم ہیں کہتا ہے کہ ۱۹۵۸ء میں اس تحقیقاتی مہم کے دوران کوچار شہر میں ظہیر الدین بابر کی ایک کتاب ملی تھی۔ کتاب کا یہ نسخہ خوبصورت تحریر میں "ہوتانسکی" کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ نسخہ سیاہ ہندوستانی روشنائی میں تحریر تھا اور عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے تھے۔ اس کتاب میں ترکی عروض کی وضاحت کی گئی ہے۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ نسخہ کسی عثمانی ترک نے از سر نو تحریر کیا تھا اور اس لیے اس میں ترکی زبان کے عناصر خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

علی شیر نوائی کے کلام پر تنقید ایک روسی ادیب لکھتا ہے:

ظہیر الدین بابر مشرق کا ایک روشن خیال بادشاہ ایک ممتاز شاعر اور علم و دانش کا پرستار تھا۔ شہرۂ آفاق "بابر نامہ" کے علاوہ اس نے بہترین اشعار اور رباعیاں لکھیں جن میں اسلام کے اصولوں کی تبلیغ کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ متعدد کتابیں فوجی معاملات، موسیقی اور شعریات کے بارے میں بھی تحریر کیں۔

"بابر نامہ" میں ہمعصروں کا ذکر کرتے ہوئے اس نے عظیم شاعر علی شیر نوائی کے ۴۲ بحروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے چار بحروں کی تشریح میں غلطی سرزد ہوئی ہے، دوسرے بحروں میں بھی اس نے غلطی کی ہے۔ اس کا احساس ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو نظم گوئی کی طرف توجہ دے۔ شاعری سے تعلق بابر کی وہ کتاب محفوظ نہیں رہ سکی ہے جس میں بابر نے ان غلطیوں کی طرف ٹھوس انداز میں اشارے کیے تھے۔ ۱۹۶۸ء میں ازبکستان کے مشہور مستشرق پروفیسر عزت سلطانوف نے علی شیر نوائی کی کتاب شائع کی ہے اور اس پر تنقیدی دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں پروفیسر موصوف نے تسلیم کیا ہے کہ بابر کی تحریر کے مطابق اس نے چار غلطیوں کا پتہ لگایا ہے جو علی شیر نوائی نے رباعیوں میں کی ہیں۔

اس طور پر اب اس میں ذرا بھی شک نہیں رہ گیا کہ بابر نے جو کچھ کہا تھا وہ صرف یہ کہ صحیح تھا بلکہ اگر بابر علی شیر نوائی جیسے عظیم الشان شاعر اور ادبی نقاد کے یہاں پتہ چلا سکتا ہے تو اسے یقیناً شعریات پر پوری گرفت حاصل رہی ہوگی اور عروض پر اس کی کتاب ترکی شاعری کی

تاریخ اور اس کے فلسفے کی تاریخ میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتی ہوگی، لیکن یہ نادر تصنیف علوم مشرق کا مطالعہ کرنے والی دنیا کے سامنے نہیں۔

خواجہ آصفی کے کلام پر تنقید | خواجہ کے کلام کی نسبت بابر نے بڑی موزوں رائے دی ہے۔

"شعر او از رنگ و معنی خالی نیست اگرچہ از عشق و حال خالیست

اگر کوئی مشاق شعر فہم خواجہ کے کلام پر رائے ظاہر کرے، اس بیان سے متجاوز نہ ہوگی۔

غرض بابر اچھا ادبی نقاد بھی تھا[1]

بابر اور موسیقی | ولیم ارسکن کا بیان ہے کہ بابر موسیقی سے واقف ہی نہ تھا بلکہ اس فن میں موجد بھی تھا۔ اس نے موسیقی کو جو سُر عطا کئے وہ اس کا نام ہمیشہ اس فن میں باقی رکھنے کیلئے کافی ہیں۔

معاصر موسیقاروں کے حسن و قبح پر بڑا اچھا تبصرہ کیا۔

ہیرالڈلیم کا بیان ہے کہ" بابر کے کلام میں گہرائی زیادہ ہے، وہ متعین خیالات کو نغمے کی زبان میں ادا کرنے کا قدرتی میلان رکھتا ہے اس پر انابت کی کیفیت طاری ہوتی تو وہ خواجۂ احرار کے ارشادات کو ترکی میں نظم کرتا کہ عام لوگ بھی استفادہ کرسکیں۔ شاعر پیشہ اشخاص سے مسابقت کرنے میں اُسے باک نہ تھا، مگر تعجب ہے کہ موسیقی کے معاملے میں احتیاط سے کام لیتا، اور انوکھی من مانی قسم کی راگنیاں نکالنے کے سوا شاذ و نادر ہی کوئی ساز بجاتا ہوگا ہاں، دوسروں کے ساز بجانے پر اچھی یا بری رائے دینے سے باز نہ رہتا۔"

بابر اور مصوری | مسٹر ایم۔ ایس۔ ڈیمنڈ کا بیان ہے کہ بابر بادشاہ کے دربار میں جو تصویریں بنائی گئیں ان کے بارے میں ہماری معلومات زیادہ نہیں ہیں، حالانکہ عربی مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بادشاہ ایک عالم فلسفی، سیاح جہاں گشت ماہر شکاری اور فطرت کا دلدادہ ہونے کے علاوہ فنون لطیفہ کا سرپرست بھی تھا۔ تاہم اس کے عہد حکومت سے بہت کم تصاویر منسوب کی جاسکتی ہیں۔ کینل (KUHNEL) نے بحری جنگ کی ایک تصویر اس دور سے

[1] حاشیہ منتخب التواریخ اردو ترجمہ / تذکرہ بابر

منسوب کی ہے۔ یہ تصویر ایک البم میں ہے جو کسی زمانے میں شہنشاہ جہاں گیر کی ملکیت میں تھا، اور اب برلن کے سرکاری کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس میں بہزاد اور اس کے دبستان کا اثر صاف نظر آتا ہے[1]

خطاطی | ولیم ارسکن کا بیان ہے کہ "ادب کے ساتھ بابر کو فن خطاطی سے بھی گہری دلچسپی تھی اور اس نے اس میں بڑی مہارت حاصل کی اس وقت کے مطابق خط نسخ و نستعلیق وغیرہ کا ماہر تھا۔

منتخب التواریخ میں ہے کہ "بابر خطاطی کا بڑا قدردان تھا اور ایک خاص نئے خط کا موجد تھا، جس کو "خط بابری" کہتے تھے بابر نے اس خط میں قرآن مجید کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا تھا۔

بابر نے یہ رسم الخط ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء میں ایجاد کیا تھا۔

بابر کا خط نہایت پاکیزہ تھا اور خوش نویسی کے وقت خوش نویسانہ انداز میں ہوتا تھا مسطر اپنے ہاتھ سے بناتا تھا[2]

بابر اور ہندی زبان | بابر کا یہ شعر بہت مشہور ہے:۔

مجکا نہ ہوس مانک و موتی فقرا ہلیغہ بس بولغو سیدور پانی و روٹی

مولانا حکیم سید عبدالحئی تحریر فرماتے ہیں کہ بابر کے ترکی دیوان کا جو نسخہ نواب رامپور کے کتب خانہ میں ہے وہ سنہ ۹۳۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔۔۔۔ کتاب نسخ میں لکھی ہوئی ہے، اس کے رسم الخط کے موافق اس شعر کو نقل کیا ہے[3]

سید رفیق مارہروی صاحب لکھتے ہیں کہ "بابر کا یہ شعر ایک ترکی کتاب میں خود اس کے ہاتھوں سے لکھا ہوا موجود ہے۔ یہ کتاب "رضا لائبریری" رامپور میں محفوظ ہے جس پر اکبر خانخاناں اور شاہجہاں کی مہریں یا اصل دستخط موجود ہیں[4]

شہنشاہ بابر نے سنہ ۹۳۲ھ میں ہندوستان فتح کیا۔ دہلی اور آگرے کی تسخیر کے بعد سنہ ۹۳۳ھ میں

---

[1] مسلمانوں کے فنون۔ [2] تذکرہ بابر [3] گل رعنا
[4] ہندوؤں میں اردو۔ نسیم بکڈپو لکھنؤ۔

جو فتح نامے اطراف و اکناف میں روانہ کئے، ان میں لشکر کو "اردوئے نصرت شعار" کے لقب سے موسوم کیا ہے[1]

بابر کے ایک سکہ پر جو ۹۳۷ھ میں مضروب ہوا ہے "ضرب اردو" منقوش ہے۔ (دیکھو وائٹ ہیڈ کی فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ پنجاب میوزیم لاہور ص ۲)[2]

کتابوں کے جمع کرنے کا شوق

بابر کو کتابوں کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ فتح پنجاب کے وقت بابر نے خصوصیت سے غازی خاں کا کتب خانہ دیکھا۔ اس کتب خانہ کی بڑی شہرت تھی، لیکن وہ لکھتا ہے کہ کچھ کتابیں یقیناً اچھی تھیں لیکن باقی کچھ زیادہ قابل قدر نہ تھیں۔ ان میں سے کچھ کتابیں اس نے کامران کو بھجوائیں اور کچھ ہمایوں کو[3]

میدان جنگ اور سفر میں علمی مشغلہ

بابر میدان جنگ اور سفر میں بھی لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتا۔ ہیرالڈ لیم لکھتا ہے کہ "سردی کی طویل راتوں میں وہ اپنے لیے ملک کے حالات روزنامچے میں لکھتا۔ موسم کی تعریفیں تو بہت کم تھیں، لیکن یہ تحریریں پوستین کے لبادوں میں لپٹ کر، ہوا سے جھلملانے تیل کے چراغ کی روشنی میں لکھی ہوتی تھیں"۔

ایک شب کو بنگالہ سے پلٹتے وقت باد و باراں کا طوفان اٹھا، اس وقت بھی بابر لکھنے میں مشغول تھا۔ وہ اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ لوگ تراویح سے فراغت پا چکے تھے اور رات کا ایک پہر اور پانچ گھڑیاں گزر گئی تھیں۔ میں اپنے خیمہ میں کتاب لکھنے میں مصروف تھا کہ اس درجہ خوفناک آندھی چلی کہ مجھے کتاب کے اوراق سمیٹنے کی مہلت نہ ملی، اور میری خیمہ گاہ اکھڑ کر میرے سر پر آن گری۔ خیمہ کی رسیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ میں نے بڑی مشکل سے کتاب کے اجزا اکھٹے کئے۔ اوراق بھیگ گئے تھے۔ انہیں اکٹھا کر کے میں نے بیٹے کے ساتھ چپکا لیا اور اوپر سے کمبل اوڑھ لیا۔ اس رات بابر ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سویا۔

یہ تھا شہنشاہ ہند کے علمی ذوق کا عالم! ○○○

---

[1] بابر نامہ طبع قازان ص ۴۱۳ [2] بحوالہ اردوئے قدیم از حکیم شمس اللہ قادری

[3] تزک بابری۔